https://telegram.me/ilmokitab

ڈاکٹر حکیم مولانا سیّد عبدالعلی

(دسمبر ۱۸۹۳ء - ۷ر مئی ۱۹۶۱ء)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے برادر معظم جناب ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ناظرین 'الفرقان' کو بھی مل چکی ہوگی۔ خدا غریق رحمت کرے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی ذات اور اپنے اوصاف و کمالات کے اعتبار سے ایک نادرۂ روزگار ہستی تھے۔ وہ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے، جس نے سید احمد شہیدؒ جیسی ناقابل فراموش ہستی ملّت کو بخشی، اور اپنے بزرگوں کے امتیازات و کمالات کے جامع بھی۔

اس فرشتہ صفت ہستی کو ۱۹۴۸ء سے لے کر عین اس لمحہ تک، جب اس کی پاک روح نے اپنے مالک کی طلبی پر لبیک کہتے ہوئے پرواز کی، مسلسل اور بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ 'الفرقان' کا دفتر شروع میں تو ۷/۸ سال تک گویا ڈاکٹر صاحب کے مطب اور دولت کدہ سے بالکل متصل ہی رہا۔ اس کے بعد جو کچھ فاصلہ بڑھا بھی تو وہ چند قدم سے زیادہ کا نہ تھا۔ رہائشی مکان بھی ۵/۶ سال تک ڈاکٹر صاحب کے زیر سایہ ہی ملا۔ اٹھنا بیٹھنا لکھنؤ کے قیام کے روز اول ہی سے ڈاکٹر صاحب کے متعلقین کے ساتھ رہا۔ اس طرح اپنی بد قسمتی سے گو حاصل کچھ نہیں کیا، لیکن خوش قسمتی سے دیکھا بہت کچھ اور جو کچھ دیکھا وہ کبھی بھولنے والا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی صورت ہی دیکھ کر آدمی کو اُنس اور عقیدت پیدا ہوتی تھی۔ یہ دراصل ان کے باطن کی نورانیت اور جاذبیت کا عکس تھا، جو پوری آب و تاب کے ساتھ ان کے چہرے پر نمایاں رہتا تھا۔ اہل تقویٰ آج بھی اس دنیا میں بہت سے ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کو بہت تھوڑی ہی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد دل گواہی دیتا تھا کہ معاصی سے پرہیز کرنا تو الگ بات ہے، ان کے دم میں معصیت کا تصور بھی شاید نہیں آتا۔ وصال کے چند دن بعد

ڈاکٹر صاحب کے رفیق خاص و دم ساز حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی (اطال اللہ بقاءہ) کی خدمت میں اس درخواست کے لئے حاضری ہوئی کہ آپ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو جتنا جانتے ہیں شاید ہی کوئی دوسرا اس درجہ کی واقفیت رکھتا ہو۔ لہٰذا جی چاہتا ہے کہ اگر صحت مساعد ہو تو مرحوم کے تذکرے میں کچھ ارقام فرمائیں، بہت سے بندگانِ خدا کو اس سے دینی فائدہ پہونچے گا۔ اس صحبت میں ڈاکٹر صاحب کی سیرت کے اس پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے، جس کا ذکر میں نے چھیڑا ہے، مولانا موصوف نے مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تاثر نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں میری ہی تحریک پر علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کا علاج شروع ہوا۔ یہ پہلی ملاقات تھی جو کافی ممتد ہوئی۔ واپس ہوکر مجھ سے کہا کہ "میاں میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ ایک ایسے آدمی کے دیکھنے کا موقع تم نے میرے لئے فراہم کیا جیسا نہ اب تک ان آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ اُمید ہے کہ دوسرا دیکھنے میں آئے، میرا تو دل پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ اس شخص کے قلب پر کسی معصیت کا خطرہ بھی نہیں گزرتا"۔

یہ واقعہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو تھوڑی ہی سی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد پورے جزم و وثوق کے ساتھ یہ تاثر طاری ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی درجہ کی بھی معصیت کا مادہ ہی اس انسان کے اندر نہیں رکھا ہے۔ کوئی تارک الدنیا قسم کے انسان نہیں تھے۔ مطب کرتے تھے، زمین اور باغات کے علائق رکھتے تھے۔ ایک وسیع کنبے کے ذمہ دار تھے۔ ندوۃ العلماء کی نظامت کی ذمہ داریاں تھیں، غرض ہر طرح کے بشری علائق تھے۔ مگر قول و عمل میں وہ پاکیزگی، وہ طہارت وہ معصومیت کہ فرشتے بلائیں لیں۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسی طرح کا ایک امتیازی وصف جسے مذکورۂ بالا بنیادی وصف کا شاخسانہ کہنا بجا ہوگا، ان کی للّٰہیت اور استحضارِ عبدیت تھا۔ ان کے اس باطنی کمال کے یقین سے دل معمور تو تھا ہی مگر مرحوم کا وہ خط دیکھ کر، جو عین جوانی کی عمر میں انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا حکیم عبدالحئی حسنی رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا تھا، یہ یقین حق الیقین سے بدل گیا۔ اللہ اللہ کیا ٹھکانہ ہے اس للّٰہیت اور استحضارِ عبدیات کا کہ الہ آباد یونیورسٹی سے بی ایس سی کر کے نکلے ہیں اور اپنی آئندہ

زندگی کے نقشے کے خطور تیار کرتے ہوئے والد ماجد کو لکھتے ہیں:

صرفِ عصیاں ہوا وہ حصۂ عمر
جو تیری یاد میں بسر نہ ہوا

جس کی جوانی للّٰہیت اور عبدیات کا یہ رنگ لیے ہو، کیا پوچھنا ہے اس کی پختہ سنی اور بڑھاپے کے رنگ کا۔ بس للّٰہیت و عبدیات کی ایک موہنی تصویر تھی، جو نہ جانے کب تک آنکھوں میں پھرتی رہے گی۔

اتباعِ سنت میں بھی اپنے بزرگوں کا پورا پورا ورثہ پایا تھا...... سنت اور سنت کے قائم کردہ حدود کی پابندی ہر چیز میں عزیز تھی۔ انگریزی تعلیم اور ڈاکٹری کے پیشہ میں کامیابی کے باوجود وضع قطع، رہن سہن اور گھر کا چال چلن از اوّل تا آخر سنت کے حدود کا پابند۔ ہر طرف ایک دلآویز مسنون سادگی۔ تکلفات سے دوری، سنت اور حدودِ سنت ہی نہیں، مذاقِ سنت کی بھی ایسی پاسداری تھی کہ انسانی کمزوری کے نہایت نازک مواقع پر بھی اس میں فرق نہیں آتا تھا۔ پانچ صاحب زادیوں پر اکلوتے صاحب زادے، سب سے چھوٹے اور فطری سعادت کی بنا پر صحیح معنیٰ میں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، لیکن لکھنؤ کے پر تکلف اور گراں بار رواجوں سے جکڑے ہوئے ماحول میں اس شان سے شادی کی تقریب ادا ہوئی جیسے سارا ارمان یہی تھا کہ سنت کے مذاقِ سادگی کی پیروی کا ایک یہ موقع بھی میسر آئے۔ بڑا دل گردہ چاہئے ایسے فطری کمزوریوں کے مواقع پر بھی مذاقِ سنت کو عزیز رکھنے میں!

لڑکیوں کے رشتے آج کی ایک عام کمزوری ہیں، اچھے اچھے دین دار اور نائبانِ انبیاء لڑکیوں کے دنیاوی عیش و آرام کی خاطر ان کے رشتے میں دین داری کی تلاش کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں راقم نے اپنی محدود نظر سے ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ ہی کو دیکھا کہ دنیاوی تعلیم، دنیاوی وجاہت، دینی عزت اور عالی نسبی کا جامع ہوتے ہوئے پانچوں صاحبزادیوں کے رشتوں میں ایک نگاہِ غلط انداز بھی ان مواقع پر نہیں ڈالی، جوان معزز حیثیات کا جامع ہونے کی بدولت دنیاوی اعتبار سے اچھے رشتوں کے حصول میں انھیں حاصل ہو سکتے تھے۔ تمام صاحب زادیوں کے رشتے میں رسول اکرمؐ کے پسندیدہ دینی معیار کو شرطِ اول قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ اگر اپنی جیسی حیثیت کا دنیوی معیار بھی جمع نہیں ہو سکا تو ادنیٰ پرواہ نہیں کی...... کتنی عظیم قربانی ہے آجکل کے ماحول میں،

معیارِ سنت کی خاطر اپنے لختِ ہائے جگر کے دنیوی عیش و آرام کے امکانات کو قربان کر دینا اور کس پائے کا اخلاص ہے اپنے دین اور عشقِ رسالت میں!

ان اوصاف کا لازمی تقاضا تھا کہ اس شخصیت میں اسلام اور ملّت اسلامیہ کے لئے دردمندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی تڑپ بھی ہو۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا سینہ ان جذبات کا بھی گنجینہ تھا۔ اسلامی دنیا میں کہیں کوئی ناگوار واقعہ ہوتا تو بالکل طبعی انداز کے رنج کی کیفیت طاری ہوتی اور کوئی خوش کن خبر ملتی تو طبیعت سرور و نشاط سے لبریز ہو جاتی اور اس کے اثرات دیکھنے میں آتے۔ مرحوم کے جو بعض خطوط کا سلسلہ اسی شمارہ سے شروع کیا جا رہا ہے، اس سے اچھا خاصہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سینے میں اعلاء کلمۃ اللہ کی کیسی تڑپ اور اسلام کے لیے کیسا درد تھا[1]

بزرگوں کی اخلاقی شانیں مختلف ہوتی ہیں، کسی میں خوش اخلاقی کا کوئی رنگ ہے، کسی میں کوئی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی خوش اخلاقی میں ایک عجیب باوقار جمال تھا، کشادہ جبینی اور خندہ روئی کے ساتھ ملنے والوں کا استقبال فرماتے۔ عین سنت کے مطابق پورے رُخ کے ساتھ التفات ہوتا۔ ڈاکٹری کا پیشہ ہونے کی بنا پر وقت بے وقت ان سے ضرورت پڑتی رہتی، ہمیشہ ایک ہی انداز سے متوجہ ہوتے ہوئے پایا، مسجد میں نماز کے بعد کچھ عرض کرنا ہوتب، مطب سے گھر تک یا مسجد سے گھر تک کے راستے ہی میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت پڑ گئی تب، اور گھر کی آرام گاہ میں اجازت لے کر جا پہونچے تب، کشادہ جبینی تھی کہ کسی وقت جدا نہیں ہوتی تھی، خاموش اور باوقار چہرے پر شفقت جیسے بولتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر حاضری قریب سے قریب تر کرتی اور دل میں محبت کا تعلق اُبھارتی۔ بلا شائبہ تکلف اس خادم کو تو وہ بالکل اپنے خاندان کے ایک بزرگ محسوس ہوتے۔ ان کی خاموش مجلس میں جی لگتا اور بغیر کسی ضرورت ہی کے جا کر کچھ دیر بیٹھنے کو دل چاہتا۔

مرحوم اپنی ذات اور اپنی ظاہری اور باطنی کمالات سے خود بھی ایک نہ بھولنے والی شخصیت ہیں، مگر ایک زندہ (اور انشاء اللہ زندہ جاوید) یادگار بھی ہمارے درمیان چھوڑ گئے ہیں، اور وہ ہیں ہمارے

(۱) ڈاکٹر صاحب مرحوم کے چند اہم مکتوبات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مرتب کیے ہوئے الفرقان کے متعدد شماروں میں شائع کیے گئے تھے۔

محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مدﷲ ظلہم)۔ مولانا کے والد مرحوم ان کو صرف ۹؍سال کا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، اس دن سے ڈاکٹر صاحب کے روز وفات تک وہ اپنی والدۂ محترمہ کے علاوہ ڈاکٹر صاحب مرحوم ہی کے سایۂ عاطفت میں رہے اور انھیں کے دامن شفقت میں تعلیم و تربیت کے سارے مراحل طے کئے۔ مولانا محترم کی آج کی پوری شخصیت انھیں کی تربیت و شفقت کا فیض ہے اور فیض بھی کیسا جاری فیض! ﷲ تعالیٰ اس فیض کو مدتوں جاری رکھے اور ڈاکٹر صاحب کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔

کیسا قابلِ رشک اور قابل تقلید ہے وہ بندۂ جو عمر بھر اپنے دونوں ہاتھوں سے بھی آخرت کمائے، اور اپنے بعد بھی اس کمائی کا ایک عظیم ذریعہ چھوڑ جائے۔ خدا اس کی بال بال مغفرت فرمائے، انبیاء وصالحین کا قرب عطا فرمائے اور پسماندگان کے دلوں پر اپنے فضل خاص سے سکینت برسائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

(ماہنامہ ’الفرقان‘، ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ)

❑❑❑